مرزا غالب اور سلطان الشعرا انور دہلوی

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی

اسسٹنٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔110025

سلطان الشعرا مرزا انور دہلوی اپنے زمانے کے بہترین شاعر تھے۔ اردو زبان کا درج ذیل لاثانی اور لافانی شعر انور دہلوی کا ہے:

نہ میں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

علامہ شبلی نعمانی نے بھی اس شعر کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ انھوں نے ایک ہندی نظم کے عربی ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اردو زبان میں اگر اس لطافت کی کوئی نظیر ہے تو یہ شعر ہے۔''(۱)

انور دہلوی کا پورا نام سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور دہلوی تھا۔ دہلی کے ایک بڑے عالی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد میر جلال الدین حیدر بہادر شاہ کے خطاطی کے استاد تھے اور بڑے بھائی سید ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی مغل دربار میں داروغہ ماہی و مراتب تھے۔ خاندان کے دیگر افراد بھی شاہی ملازمت میں تھے۔

انور کی تاریخ ولادت کا صحیح اندازہ نہیں ہے مالک رام نے قیاساً ۱۸۴۷ء–۱۸۴۸ء لکھی ہے، لیکن بظاہر یہ تاریخ درست نہیں ہے۔ انور کا انتقال تقریباً چالیس سال کی عمر میں ۱۳۰۲ھ یعنی ۱۸۸۴ء میں ہوا تھا جیسا کہ ان کے بڑے بھائی ظہیر دہلوی نے وضاحت کی ہے۔(۲) اس میں سے اگر چالیس کم کر دیں تو ۱۸۴۴ء برآمد ہوتا ہے۔ دوسری بات ظہیر نے یہ لکھی ہے کہ انہوں نے ذوق سے تلمذ اختیار کیا۔ ذوق کا انتقال ۱۸۵۴ء میں ہوا۔ مالک رام کے مطابق اس وقت ان کی عمر پانچ چھ سال بنتی ہے جو شاعری کے لیے استاد تلاش کرنے کے اعتبار سے کم ہے اور ۱۸۴۴ء کی پیدائش ماننے سے اس وقت ان کی عمر ۱۰/سال قرار پاتی ہے جو اس اعتبار سے موزوں ہے۔ اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کی ولادت ۱۸۴۴ء میں ہوئی ہوگی۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مولانا الطاف حسین حالی جو ایک طرح سے ۱۸۵۷ء میں ان کے میزبان تھے، انھوں نے حصر کے ساتھ لکھا ہے کہ ''انور اس وقت ۱۳ سال کے تھے۔'' ۱۸۵۷ء میں سے ۱۳ کم کرنے پر بھی ۱۸۴۴ء ہی برآمد ہوتا ہے اس لیے ان کی ولادت کا یہی سال درست ہے۔ مولانا حالی کی عبارت یہ ہے:

''۱۸۵۷ء میں جب سپاہ باغی کے ہنگامے نے دلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی بعمر سیزدہ سالگی اپنے والد بزرگوار.... کے ہمراہ پانی پت میں آ کر کئی برس تک یہاں مقیم رہے۔''(۳)

مالک رام نے ظہیر اور انور کے حوالے سے نواب سعید الدین احمد خاں کی ایک روایت پر تنقید کی ہے جو انہوں نے اپنے والد نواب ضیاء الدین احمد خاں سے نقل کی تھی۔ وہ روایت یہ ہے:

''جب مرزا زین العابدین خاں عارف کو خط نسخ سیکھنے کا شوق پیدا ہوا تو وہ سید جلال الدین یاقوت رقم ثانی استاذ ظل سبحانی بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دنوں عارف کی شاعری کا عام شہرہ تھا۔ ادھر میر جلال الدین کے دونوں صاحبزادوں کی شاعری چٹیک تھی اور وہ ایک اچھے استاد کی ٹوہ میں تھے۔ میر جلال الدین کو یہ اچھا موقع ہاتھ آیا، انہوں نے عارف سے کہا کہ میں یوں تو آپ کو شاگرد کرتا نہیں، ہاں تبادلہ کرتا ہوں، یعنی میں آپ کو نسخ کی تعلیم دوں گا اور اس کے اصول بتاؤں گا۔ آپ میرے دونوں لڑکوں کو شاعری کے رموز بتائیں اور شاعر بنادیں۔ عارف مرحوم نے منظور کر لیا اور معاملہ اس پر طے ہو گیا۔ اگرچہ عارف نے ایک سال کے بعد سلسلۂ تعلیم ختم کر دیا اور استاد نے سند لکھ دی، لیکن ظہیر اور انور مدتوں عارف سے اصلاح لیتے رہے، چونکہ دونوں جوہر قابل تھے، تھوڑے ہی دنوں کی مشق سے کچھ کا کچھ ہو گئے۔ جب بہادر شاہ ظفر کو ان کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ان دونوں کو استاد ذوق کے سپرد کر دیا۔''(۴)

مالک رام نے یہ کہہ کر کہ اس وقت مرزا انور کی عمر پانچ سال رہی ہوگی، اس روایت کو کسی غلط فہمی پر مبنی قرار دیا ہے، لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس وقت انور کی عمر کم از کم ۸/سال تھی۔ اس لئے دونوں یعنی ظہیر اور انور کا

عارف سے اصلاح لینا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے۔ مزید یہ کہ خود ظہیر نے اپنی، عارف کی اور انور کی یومیہ ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔(۵) نواب سعیدالدین کی روایت میں صرف انور کا نہیں ظہیر کا بھی تذکرہ ہے اس لیے اس روایت کو کسی ایک کے ساتھ مخصوص کر لینا بھی درست نہیں، ممکن ہے یہ شرط اصلاً ظہیر کے لیے رہی ہو جن کی عمر عارف کی وفات کے وقت ۱۵ سال تھی اور انور ضمناً اس میں شامل ہوں۔ ایک اور دلچسپ بات یہ کہ ظہیر نے واضح طور پر لکھا ہے کہ انور پہلے ذوق کے شاگرد تھے، لیکن مالک رام نے اپنی مزعومہ تاریخ پیدائش کی بنیاد پر اس کا بھی انکار کر دیا ہے۔ لکھا ہے ''جیسا کہ اوپر مذکور ہوا انور کا تلمذ ذوق سے محال ہے۔''(۶)

انور کے بارے میں ظہیر نے لکھا ہے ''فن خوشنویسی والد ماجد سے تکمیل کو پہنچایا گیا۔ ۱۱ برس کے سن میں تمام خوشنویسان روزگار پر سبقت لے گیا۔ اسی عمر میں کتب درسیہ فارسی کو طے کر کے استعداد عربی میں قریب تحصیل کے سرمایہ بہم پہنچایا، فن سخن کا اکتساب شیخ محمد ابراہیم ذوق و مرزا اسداللہ غالب سے کیا۔''(۷)

مولانا حالی نے انور کے علم و فضل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''سید انور مرحوم میں کمال شاعری کے علاوہ متعدد کمالات جمع تھے۔ خط نسخ میں وہ بلا مبالغہ اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اس فن میں جو کمال ان کے جد بزرگوار نے قاضی عصمت اللہ دہلوی سے حاصل کیا تھا سید انور پر گویا اس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ باوجود اس کے نستعلیق میں بھی وہ شہر کے عام خوشنویسوں میں کسی سے کم نہ تھے اور یہ جامعیت ان کی خاندانی خصوصیات میں سے تھی۔ وہ صرف شاعر اور خوشنویس ہی نہ تھے بلکہ علوم متعارفہ میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے اس کلیہ کو کہ الکاتب جاہل کو غلط ثابت کر دیا تھا۔''(۹)

سعی انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ انور کو بھی دہلی سے نکلنا پڑا اور اپنے بڑے بھائی ظہیر دہلوی وغیرہ کے ساتھ جھجر، پانی پت، بریلی اور رام پور وغیرہ میں در بدر ہونے کے بعد ۱۸۶۴ء میں الور پہنچے اور مہاراجہ شیودان سنگھ کے دربار میں ملازم ہو گئے۔ ظہیر دہلوی نے مہاراجہ شیودان سنگھ کی مہربانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن الور میں سیاسی طور پر حالات میں استقرار نہیں تھا اس لیے کئی سال الور میں بڑی فراغت کے ساتھ رہنے کے بعد اس آشیان کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ اس کے بعد جے پور چلے گئے۔(۹)

جے پور میں کاپی نویسی ذریعۂ معاش تھی اس کے علاوہ نواب زادہ احمد علی خاں رونق کی سرکار سے بھی کچھ امداد ہو جاتی تھی، لیکن فارغ البالی نصیب نہ ہوئی ہمیشہ معاشی تنگی اور دیگر تفکرات میں گھرے رہے۔(۱۰)

انور کو شاعری سے جنونی لگاؤ تھا۔ ۱۸۵۷ء میں دلی کی محفل اجڑ گئی اور دہلی کے لوگ کارزار حیات میں رشتۂ جسم و جاں کی بقا کی جد و جہد کرتے رہے ایسا لگتا تھا کہ لوگ شاعری کو بھول ہی گئے یہ مرزا انور کا جگر تھا کہ ان مشکلات میں بھی انھوں نے حوصلہ نہیں ہارا اور دس سال کے بعد دلی میں دوبارہ مشاعروں کا آغاز کیا۔ ان مشاعروں میں داغ، ظہیر، حالی، مجروح، سالک، عزیز اور ارشد جیسے شعرا شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے کے کلام پر داد دیتے عام طور پر انور کی غزل سب پر فوقیت لے جاتی جیسا کہ لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ 'اکثر تو یہی ہوا کہ ان کی غزل سب پر فوقیت لے گئی'۔(۱۱) مولانا حالی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے بلکہ انھوں نے مشاعرے کے مقام کی بھی وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> مخدومی محمد کرم اللہ خاں شیدا کا دیوان خانہ جود و سخا اور صداقت کا مرکز اور آزادوں کا ملجا و ماویٰ اور زندہ دلی کا جنم بھومی ہے۔ سالہا سال وہاں شعر و سخن کی صحبتیں گرم رہیں اور ان صحبتوں میں سید انور، سید ظہیر اور مرزا سالک اکثر شریک ہوتے تھے۔(۱۲)

مشاعروں کی وجہ سے ان کو دہلی بہت جانا ہوتا تھا۔(۱۳) اوپر سے حالات کی شوریدہ سری نے بالآخر ان کو بھی شوریدہ سری میں مبتلا کر دیا اور بحالت جنون دہلی میں ہی ۱۸۸۴ء (۱۳۰۲ھ) میں وفات پائی۔(۱۴)

انور دہلوی بڑے پائے کے شاعر تھے ان کو سخن کے قدر شناسوں نے سلطان الشعرا کا خطاب دیا تھا جو ان شعری قامت کے لیے بالکل موزوں ہے۔ ظہیر دہلوی اور مولانا محمد نادر علی خاں برتر نے ان کی علمیت اور نظم و نثر میں ان کے کمال اور ان کی مہارت کا تذکرہ کیا ہے۔

لالہ سری رام نے خمخانہ جاوید میں ان کی بڑی تعریف کی ہے وہ لکھتے ہیں 'انور مرحوم بڑے ذکی اور طباع شاعر تھے.... کلام کی شوخی، فکر کی رسائی.... جو شعر دیکھو پھڑکتا ہوا، حسن خیال، بلندی مضمون پر نظر ڈالو تو ایک خوش آئند حیرت پیدا ہوتی ہے اس جواں طبیعت کو خدا نے وہ مضمون آفرینی بخشی تھی کہ شعر سن کر بوڑھوں کے ٹھٹھرے ہوئے دلوں میں عشق کی امنگ پیدا ہو جاتی تھی۔(۱۵)

مرزا انور دہلوی اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے، کلام میں معنیٰ آفرینی کے ساتھ مشکل پسندی تھی۔ نہایت اعلیٰ اور دقیق مضامین باندھتے تھے اور اظہار بیان پر ان کو ایسی قدرت حاصل تھی کہ کیسا ہی مشکل مضمون ہو اور

کیسی ہی تنگ زمین ہو وہ اس میں نہایت آسانی سے غزلیں بلکہ دو غزلے اور سہ غزلے کہہ لیا کرتے تھے۔ان کے طرز شاعری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مومن کی خیال گوئی اور غالب کا استعارہ بالکنایہ کی مکمل تقلید بھی انھوں نے کی اور ان کو ملا کر ایک نئی طرح بھی ایجاد کی۔لالہ سری رام نے ان کی شاعرانہ ندرت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مومن نے خیال گوئی کی جو ایک خاص طرز ایجاد فرمائی تھی جس کا ان کے زمانے میں شہرہ ہوا تھا اگر اس کے موجد مومن خاں تھے تو پورے پورے مقلد خود انور، اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو جیسا ان کے طرز کو خود انور نے نباہا ہے اور کسی سے نہ بن پڑا۔ اسی طرح مرزا غالب کی استعارہ بالکنایہ کی خوش اسلوب ترکیب کی تقلید انور مرحوم کے برابر کسی سے نہ ہوئی۔ الغرض ذوق، غالب اور مومن کے جدا گانہ طرزوں کو سمو کر مرحوم نے ایک رنگ خاص ایسا ہر دل عزیز پیدا کیا تھا جو سب کے دلوں میں نقش ہو گیا۔''(۱۶)

احترام الدین شاغل مرحوم نے ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بلا کا زور بیان، اعلیٰ قدرت زبان، نازک خیالی، بلند پروازی، مضمون آفرینی، دقت پسندی، جذبات کی عکاسی اور مناظر کی نقشہ کشی متین اور شگفتہ انداز میں آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔''(۱۷)

ذاتی طور پر انور بڑے متدین اور صوفی منش آدمی تھے، ان کے بڑے بھائی ظہیر نے اس اعتبار سے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''قطع نظر اس عروج کمال کے محامد اخلاق ومحاسن خصائل پر غور کیجیے تو درویش فرشتہ سیرت وصاحب دل وصاحب نسبت کہنا روا ہے۔عمر بھر جادہ تسلیم ورضا سے قدم باہر نہ رکھا۔ہر رنج و مصیبت میں شکر گزار وقانع رہا اور حدیث شریف 'الفقر فخری' پر عمل کیا۔ ہمیشہ فقر وفاقہ، زحمت حوادث، عیش وآرام، عسرت و عشرت میں ایک وضع اور ایک طریقہ پر گزران کی۔خوشی کو خوشی اور رنج کو رنج نہ گردانا۔اپنی قوت بازو سے اکل حلال پیدا کر کے قوت اہل عیال کیا۔نماز روزہ، وردووظائف کسی حال میں قضا نہیں ہوئے۔تھوڑے بہت فقر وفاقے کا شکوہ کبھی زبان پر نہیں آیا۔جو اللہ نے دیا صبر وشکر کر کے کھا لیا۔معیشت قلیل پر قناعت کی حرص دنیا کو کبھی پاس نہ آنے دیا۔نفوس قدسیہ کے خواص اس کی ذات ستودہ صفات میں پائے جاتے تھے۔عالم باعمل سالک کامل عارف باخدا درویش خوش اوقات دنیا دار تارک الدنیا اسی سے مراد ہے۔غرض یہ کہ بجمیع محامد و اوصاف محلیٰ ومجلیٰ تھا۔''(۱۸)

مولانا حالی نے بھی ان کی دینداری اور پاس وضع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''خصائل اور عادات کے لحاظ سے میں ان کو مستثنیٰ لوگوں میں شمار کرتا تھا، سادگی و پرہیزگاری، آزادہ روی وخودداری، ہر حال میں خوش رہنا اور اس اشراف گردی کے زمانے میں پاس وضع کو ہاتھ سے جانے نہ دینا ان کی خاص خصلتیں تھیں۔''(۱۹)

ظہیر دہلوی نے لکھا ہے کہ'' انور کا کلام جس قدر ممکن ہوا ان لعل پاروں کو مثل سیپارہ دل فراہم کر کے جو کچھ پڑھا گیا، لکھا۔باقی سب معرض تلف میں آ کر برباد گیا۔ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے عشر عشیر بھی نہیں۔''(۲۰) خمخانہ جاوید سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا کلام لالہ سری رام کی خواہش پر جمع کیا گیا تھا۔(۲۱) اور انھوں نے اس کے حقوق بھی خرید لیے تھے۔ انور کے تین دیوانوں میں سے دو بالکل ضائع ہو گئے ایک دیوان کا کچھ حصہ باقی ہے اور اس پر مصنف نظر ثانی بھی نہیں کر پائے تھے۔اس کے باوجود اس میں اعلیٰ درجہ کا کلام موجود ہے۔انور کے شعری انتخاب کا تو یہاں موقع نہیں ہے۔موقع کی مناسبت سے ان کے چند منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ یہ جواں مرگ شوریدہ شاعر کس بلا کی قوت تخئیل کا حامل تھا اور طائر تخئیل کی پرواز کس قدر بلند تھی۔کلام کا صوفیانہ رنگ تو اتنا پختہ ہے کہ اگر یارائے ادعا ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ میر درد کے کلام سے کم نہیں۔بہر حال یہ چند اشعار کچھ ان کے دیوان سے اور تذکروں سے ہدیۂ ناظرین ہیں:

نہ میں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

میں اس برہم مزاجی کے تصدق
الجھتے ہیں وہ زلف عنبریں سے

کہاں کی دل لگی، کیسی محبت
مجھے اک لاگ ہے جان حزیں سے

وہ کچھ بیتابیاں، بگڑے سے تیور
لڑائی میں مزا ہے اس حسیں سے

کیسی حیا، کہاں کی وفا، پاس خلق کیا

ہاں یہ سہی، کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا
ہاں روئیداد بزم عدو، کیوں کہوں، مگر
یہ تو کہو، کہ شب کو کہاں تھے، کہاں ہو آج
نظر ہو، تو نظر آتی ہے کیفیت دو عالم کی
چلو انور! تماشہ دیکھ آئیں بزم رنداں میں
وہ مقام لاتعین کا حصول انور کہاں
آ کے منزل پر جہاں سنیے کہ دلی دور ہے
مختصر حال درد دل یہ ہے
موت اے چارہ گر نہیں آتی
نیند کا کام گرچہ آنا ہے
میری آنکھوں میں پر نہیں آتی

حواشی:

(۱) شبلی نعمانی: مقالات جلد دوم مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۳۱ء، ص:۱۰۲
(۲) مرزا انور دہلوی: نظم دل فروز، مطبع رفاہ عام، لاہور ۱۸۹۹ء، تقریظ از ظہیر الدین ظہیر دہلوی، ص:۱۴۹
(۳) مولانا الطاف حسین حالی: مقالات حالی جلد دوم، انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، ۱۹۳۶ء، ص:۱۷۳
(۴) مالک رام: تلامذہ غالب، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، طبع دوم ۱۹۸۴ء، ص:۵۸
(۵) ظہیر دہلوی: داستان غدر (۱۸۵۷ء کے چشم دید واقعات)، اریب پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲۰۰۶ء، ص:۱۶
(۶) تلامذہ غالب ص:۵۹
(۷) نظم دل فروز، ص:۱۴۶
(۸) نظم دلفروز ص:۱۴۹
(۹) مقالات حالی، ص:۱۷۴
(۱۰) احترام الدین شاغل: تذکرہ شعرائے جے پور، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۵۸ء، ص:۱۰۵
(۱۱) لالہ سری رام: خمخانۂ جاوید، مخزن پریس دہلی، ۱۹۰۸ء، ص:۴۸۱/۱
(۱۲) مقالات حالی، ص:۱۷۴
(۱۳) تذکرہ شعرائے جے پور، ص:۱۰۵
(۱۴) خمخانۂ جاوید، ص:۴۸۲/۱
(۱۵) خمخانۂ جاوید، ص:۴۸۲/۱
(۱۶) ایضاً، ص:۴۸۲/۱
(۱۷) تذکرہ شعرائے جے پور، ص:۱۰۵
(۱۸) نظم دلفروز، ص:۱۴۹
(۱۹) مقالات حالی، ص:۱۷۵
(۲۰) نظم دلفروز، ص:۱۵۰
(۲۱) خمخانۂ جاوید، ص:۴۸۲/۱

◆◆◆

مثنوی چراغِ دیر (مع پانچ اردو تراجم)

غالبؔ کی مثنوی ''چراغِ دیر'' مع پانچ اردو تراجم، اردو اکادمی، دہلی کی تازہ ترین کتاب ہے جسے ممتاز محقق، ناقد و شاعر اور دہلی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر صادق نے مرتب کی ہے۔ آپ نے تلاش و تحقیق کے بعد اردو کے پانچ اہم ادیبوں کے ترجموں کو حاصل کیا ان میں ظ۔ انصاری، اختر حسن، علی سردار جعفری، حنیف نقوی اور کالیداس گپتا رضا کے تراجم ہیں۔ اختر اسن اور حنیف نقوی نے منظوم ترجمہ کیا ہے جب کہ بقیہ تین تراجم منثور ہیں۔ ''مثنوی چراغِ دیر'' مرزا اسداللہ خاں غالب کی فارسی شاعری کا ایسا شاہکار نمونہ ہے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ مرزا غالب نے یہ مثنوی سفر کلکتہ کے دوران بنارس میں قیام کے دوران لکھی تھی۔ پروفیسر صادق نے اس کام کو ایسے سلیقے سے انجام دیا ہے کہ اس مثنوی کی اہمیت دوبالا ہوگئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ زیر نظر کتاب ریسرچ اسکالرز کی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ عام قارئین کی دلچسپی کا باعث بھی ہوگی۔

مرتب: پروفیسر صادق صفحات: ۱۰۸، قیمت: ۴۵ روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی